Fikr-o-Nasar (Islamabad) 9:8 (1972)

فقہ اسلامی کے مآخذ

(صدر اسلام سے امام شافعی کے عہد تک)

احمد حسن

اسلام میں اصولی طور پر اقتدار و کلی اختیارات کا مآخذ خدا کی ذات ہے۔ چنانچہ ، اسلامی قانون کی رو سے ہر شخص جس کو کچھ بھی قوت و اختیار حاصل ہے ، اور خود پیغمبر کی ذات بھی قانون الٰہی کے تابع ہے۔ اس قانون الٰہی کا ابتدائی مآخذ وحی الٰہی ہے۔ اس لحاظ سے اسلامی قانون ، چاہے بعد میں اس کے مآخذ کتنے ہی ہوں ، اصلاً وحی خداوندی سے ماخوذ ہے اور اس کا مقصد خدا کی مرضی اور اس کے منشا کو بتلانا ہوتا ہے۔ خدا کے منشا کو ایک جامد اور محدود نظام قانون متعین نہیں کر سکتا ۔ ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے جملہ پہلوؤں سے متعلق خدا کی مرضی معلوم کرنا ہوتا ہے ، اس لئے اس کا قانون بھی ایسا جامع ہونا چاہئے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہو۔ اسلامی قانون ، جسے ماضی میں فقہ اسلامی کا نام دیا گیا ، انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل سے متعلق احکام دیتا ہے۔ اسلامی قانون چونکہ رضائے الٰہی کا آئینہ دار ہے ، اس لئے جو شخص اسلامی قانون پر چلتا ہے ، وہ بالواسطہ خدا کے منشاء کو سمجھتا اور اس کو پورا کرتا ہے۔

اسلام میں قانون کا تصور مغربی تصور قانون سے زیادہ وسیع ہے۔ اسلامی قانون میں قانونی اور بعض اخلاقی مسائل بھی داخل ہیں ۔ درحقیقت قرآن و سنت میں انسانی زندگی سے متعلق احکام دیئے گئے ہیں ۔ مسلمانوں نے اپنے اپنے دور میں انہی احکام کو غور و فکر کے بعد قانونی شکل دی ۔ قانون کی ابتداء خود قرآن مجید کی حلال و حرام کی تقسیم سے ہوتی ہے۔ یہ دونوں اصطلاحات قرآن مجید

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad.
http://iri.iiu.edu.pk/

میں بکثرت آتی ہیں(۱) ۔ حلت و حرمت کی ذیلی تقسیم (مندوب ، مکروہ ، مباح وغیرہ) قرآن مجید میں مذکور نہیں ۔ فقہاءٔ نے قرآن و سنت سے خود ان کا استنباط کیا ہے ۔ حلت و حرمت کے مختلف مراتب کو متاخرین فقہاء نے احکام خمسہ کا نام دیا ہے ۔ اور ان کا استعمال اس وقت سے شروع ہوا جب فقہ کا فن مکمل طور پر مرتب ہو گیا ۔ ان احکام خمسہ (واجب ، حرام ، مکروہ ، مندوب اور مباح) کی تقسیم سے اسلامی قانون کا آغاز ہوتا ہے ۔ یہ تقسیم اس لئے بھی ناگزیر تھی کہ اسلامی نقطہ نظر سے مسلمان کی زندگی کا ہر فعل کسی نہ کسی حکم کے ماتحت ضرور ہوگا ۔ مزید وسعت دینے کے لئے مباح کی اصطلاح نکالی ، جس کے شرعی حکم ہونے میں فقہا ، نے بہت تفصیل سے بحثیں کی ہیں ۔ ذیل میں ہم ان اصطلاحات کا ذکر کریں گے جو احکام خمسہ کی متعین اصطلاحوں سے پہلے امام شافعی کے دور تک فقہی ادب میں مستعمل تھیں ۔ ان اصطلاحات کا مفہوم حلت و حرمت کے سلسلہ میں بعد کی اصطلاحات کے مفہوم سے زیادہ وسیع اور عام تھا ۔ اس کے بعد ادلهٔ اربعة یعنی کتاب ، سنت ، اجماع اور قیاس پر روشنی ڈالیں گے ۔

امام اوزاعی کے یہاں لابأس ، حلال ، حرام اور مکروہ کی اصطلاحات ملتی ہیں ۔ وہ لابأس جائز اور مکروہ ناجائز کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں ۔ جنگی قیدیوں کو فروخت کرنے کے مسئلہ میں وہ عورتوں کی فروخت کو جائز سمجھتے ہوئے لابأس استعمال کرتے ہیں ، لیکن مردوں کی فروخت کو وہ مکروہ (یکرھون) بتلاتے ہیں جس کا مفہوم عدم جواز کے قریب ہے ۔ ان کے خیال میں مرد قیدیوں کو مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرنا بہتر ہے (۲) ۔ جواز و عدم جواز کی قانونی قطعیت ان اصطلاحات سے نہیں نکلتی ۔ خود حلال و حرام کی اصطلاحات وہ ایسے مسائل میں بھی استعمال کرتے ہیں جن میں اختلاف ہے ، اور قطعی طور پر ان کو قرآن و سنت میں حلال یا حرام نہیں بتلایا گیا (۳) ۔

امام مالک کی تصانیف میں بھی احکام خمسه کی وه ساری اصطلاحات جو بعد کے دور میں ملتی ھیں ، نہیں پائی جاتیں - وه بھی امام اوزاعی کی طرح عمومی اور غیر قطعی اصطلاحات استعمال کرتے ھیں - لابأس اور مکروه کا مفہوم ان کے یہاں بھی جواز و عدم جواز میں غیر قطعی اور عمومی ھے - عام طور پر یه دونوں اصطلاحیں وه ایک دوسرے کے مقابل استعمال کرتے ھیں - ھاں حلال و حرام کی اصطلاحات امام مالک کے یہاں نسبۃً زیاده نہیں ملتیں - واجب کی اصطلاح بھی ان کے یہاں موجود ھے - اور وه اس کو فرض کے مفہوم میں استعمال کرتے ھیں - لیکن فرض و واجب کے درمیان ان کے یہاں وه فرق نہیں ھے جو متاخرین علماء حنفیه نے کیا ھے - سنت اور واجب کے درمیان ضرور ان کے یہاں فرق ھے - عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے بارے میں وه کہتے ھیں که یه سنت ھے واجب نہیں ھے (۴) - مکروه اور ' یکره ' کے الفاظ کو وه کبھی قطعی ناجائز کے مفہوم میں استعمال کرتے ھیں ، اور کبھی نا درست اور نا مناسب کے معنی میں (۵) - کہیں کہیں وه ' حسن ' اور ' استحب ' کی اصطلاحات بھی لاتے ھیں ، جو واجب (فرض) سے نیچے جائز اور درست ہونے کے ایک درجه کو ظاهر کرتی ھیں - اس قسم کی اصطلاحات کو بعد میں مندوب کے لفظ سے ظاهر کیا گیا ھے -

فقہاء عراق حلال و حرام کی اصطلاحات کے استعال سے احتراز کرتے ھیں ، سوائے ان مسائل میں جن کی قطعی حلت و حرمت قرآن یا سنت سے معلوم ھے - غالباً اسی سبب سے لابأس ، مکروه اور یکره کی اصطلاحات اس دور میں ان کے فقہی ادب میں زیاده پائی جاتی ھیں - امام ابویوسف، امام اوزاعی پر حلال و حرام کی اصطلاحیں کثرت سے استعمال کرنے کی وجه سے اعتراض کرتے ھیں- ان پر تنقید کرتے ہوئے وه کہتے ھیں که سلف کسی بات کو قطعی طور پر حلال و حرام کہنے کو پسند نہیں کرتے تھے ، سوائے ان مسائل کے جن کی قطعیت واضح طور پر قرآن مجید سے معلوم ہوتی ہو - اس سلسله میں وه ایک تابعی

ربیع بن خیثم کا قول نقل کرتے ہیں: ''کسی کو قطعی طور پر دعوے کے ساتھ یہ نہیں کہنا چاہئے کہ فلاں چیز خدا نے حلال کی ہے، یا اس کو پسند ہے۔ مبادا خدا یہ نہ کہے کہ اس نے تو اس کو حلال نہیں کہا تھا، اور نہ اس کو پسند کیا تھا۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہنا چاہئے کہ فلاں بات کو خدا نے حرام کیا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کہے کہ اس شخص نے جھوٹ بولا۔ اس نے تو اس کو نہ حرام کہا ہے اور نہ اس سے منع کیا ہے''۔ ابراہیم نخعی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ فقہی مسائل میں اپنی رائے دیتے ہوئے مکروہ اور لابأس کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ کسی مسئلہ میں ''فلاں چیز حرام ہے یا فلاں چیز حلال ہے'' قطعیت کے ساتھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کے مترادف ہے، (٦)۔ لیکن ابویوسف بھی بہت سختی سے اس اصول پر عمل نہیں کرتے۔ ایک ایسے مسئلہ میں جس کا حکم واضح طور پر قرآن مجید میں موجود نہیں ہے لایحل (حلال نہیں ہے) کے الفاظ استعمال کرتے ہیں (٧)۔ عام طور پر وہ حلال و حرام کے الفاظ قطعی حرمت یا حلت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً سود یا چار سے زاید بیویاں رکھنے کی حرمت کے بارے میں وہ حرمت کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جو قرآن مجید سے ثابت ہے (٨)۔ یجوز اور لا یجوز کے الفاظ بھی بعض مسائل میں ان کے یہاں ملتے ہیں (٩)۔

امام محمد اپنی تصانیف میں جائز امور کے لئے لفظ جائز اور لابأس بہ اور ناجائز کے لئے لاخیر فیہ (اس میں کوئی بھلائی نہیں) کی اصطلاح لاتے ہیں (١٠)۔ ان کے یہاں حرام اور مکروہ کے درمیان کوئی واضح فرق نہیں ملتا۔ مکروہ یا یکرہ کے الفاظ وہ کبھی قطعی حرمت کے لئے استعمال کرتے ہیں اور کبھی صرف کراہت کے لئے (١١)۔ حلال و حرام کی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں، لیکن بہت کم۔

متاخرین کے یہاں لفظ سنت مندوب کی ایک قسم (یعنی واجب اور مستحب کے درمیانی درجہ کے طور پر) کی حیثیت سے بہت مستعمل ہے۔ لیکن امام شافعی تک اس لفظ کا استعمال اس معنی میں بہت کم ملتا ہے۔ فرض نماز

کی آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں امام محمد کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے۔ لیکن اگر کوئی نہ پڑھے تب بھی درست (حسن) ہے۔ (۱۲) ظہر کی نماز میں فرض سے پہلے اور بعد میں جو چار اور دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں ان کو امام محمد تطوع کہتے ہیں، سنت یا نفل نہیں کہتے۔ غالباً یہ اصطلاحیں بعد میں وجود میں آئی ہوں گی (۱۳)۔ بعض اوقات امام محمد لفظ واجب کو افضل کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً غسل جمعہ کے متعلق وہ کہتے ہیں یہ افضل ہے نہ کہ واجب ہے۔ (۱۴) حالانکہ حدیث میں صراحت سے واجب کا لفظ غسل جمعہ کے لئے موجود ہے۔ شاید وہ واجب کے لغوی معنی مراد لیتے ہوں گے نہ کہ اصطلاحی۔

امام محمد فرض اور واجب دونوں لفظوں کو فرضیت کے لئے استعمال کرتے ہیں (۱۵)۔ تا ہم کہیں کہیں یہ فرق ضرور محسوس ہوتا ہے کہ فرض کا اطلاق ان مسائل پر کرتے ہیں جن کی فرضیت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ (۱۶) فرض کا مفہوم واجب کے مقابلہ میں زیادہ اصطلاحی اور خاص معلوم ہوتا ہے۔ لفظ واجب بھی فرضیت کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن بعض مقامات پر یہ غیر اصطلاحی مفہوم یعنی صرف لازم اور ضروری کے لئے بھی ملتا ہے۔ عراقی فقہ میں اب تک لفظ واجب فرض کی طرح ایک فنی اور اصطلاحی مفہوم میں بہت کم بولا جاتا تھا۔ امام محمد کی تصانیف میں لفظ فریضہ اور اصطلاح سنت کے معنی میں واضح فرق موجود ہے۔ وہ عید کی نماز کو سنت کہتے ہیں، اور جمعہ کی نماز کو فریضہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاہم دونوں کے ادا کرنے پر سخت تاکید سے کام لیتے ہیں، غالباً اسی تاکید کی بنا پر، متاخرین کے یہاں عید کی نماز کو واجب کہا گیا ہے، جو ان کی اصطلاحات کے مطابق فرض اور سنت کے درمیان ایک درجہ ہے۔ (۱۷)

امام محمد کی تحریروں میں لفظ حسن بہت کثرت سے مستعمل ہے۔ ان کے یہاں غالباً یہ ایک غیر فنی اصطلاح ہے، جس کو وہ کسی مسئلہ کے درست

ہونے کے لئے عام طور پر استعمال کرتے ہیں۔ وہ اس کو کہیں ٹھیک ہونے، کہیں مستحب اورکسی مقام پر لازم ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔(۱۸) متاخرین نے شاید اس اصطلاح کو کئی درجوں میں تقسیم کر دیا، ان میں واجب، سنت اور مستحب ہیں۔ امام محمد بعض مسائل میں حسن اور افضل ترجیح کے لئے ساتھ ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ مؤذن اذان دیتے وقت اگر اپنی انگلیاں کانوں میں رکھے تو یہ افضل (بہتر) ہے، اور اگر نہ رکھے تب بھی ٹھیک (حسن) ہے (۱۹)۔ لفظ مستحب کا استعمال امام محمد کی تصانیف میں زیادہ نہیں ملتا ۔ جہاں ملتا ہے تو لفظی اور لغوی معنوں میں، نہ کہ اصطلاحی اور فنی مفہوم میں (۲۰)۔

امام شافعی سے قبل عراقی فقہ میں فاسد اور باطل تقریباً ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے تھے۔ متاخرین کے یہاں ان کے معنی میں فرق ہے۔ فاسد میں رجوع کی گنجائش ہے۔ باطل میں کوئی گنجائش نہیں۔ امام محمد نے ان اصطلاحات کو متعدد مسائل میں استعمال کیا ہے، لیکن ان کے یہاں ان کے مفہوم میں فرق بہت واضح نہیں ہے۔ ایک ہی مسئلہ میں کبھی وہ فاسد کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اور کبھی باطل کی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خیال میں ان کا مفہوم یکساں ہے۔ اور دونوں اصطلاحات ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوسکتی ہیں (۲۱)۔

امام شافعی نے ان اصطلاحات کو مزید آگے بڑھایا ہے۔ ان اصطلاحات کے کچھ درجے بنائے ہیں، اور کچھ نئی اصطلاحات بھی وضع کی ہیں۔ یہ نئی چیزیں امام مالک اور امام محمد کے یہاں نہیں ملتیں۔ حرام (اصلی) اور حرام تنزیہی کا فرق اور ان کی مثالیں سب سے پہلے امام شافعی کے یہاں ملتی ہیں (۲۲)۔ واجب اصلی اور واجب فی الاختیار کی تقسیم بھی ان کے یہاں موجود ہے۔ غسل جنابت کو وہ واجب (اصلی) اور غسل جمعہ کو واجب فی الاختیار کہتے ہیں۔ غسل جمعہ کے سلسلہ میں جس حدیث میں واجب کا لفظ آیا ہے اس کے دونوں

معنی ھوسکتے ھیں۔ یہ بھی سمجھا جاسکتا ھے کہ غسل جمعہ ایسا ھی لازمی ھے جیسا کہ غسل جنابت۔ اور اس کا مطلب یہ بھی ھوسکتا ھے کہ جمعہ کے روز غسل کرنا محض پاکیزگی اور نظافت کے لئے ھے، نہ کہ جنابت کے غسل کی طرح طہارت کے لئے۔ یہ دوسری توجیہ ان کے نزدیک راجح معلوم ھوتی ھے۔ اس تاویل کی تائید میں وہ حضرت عثمان کا واقعہ دلیل میں پیش کرتے ھیں۔ وہ کہتے ھیں کہ حضرت عثمان نے ایک مرتبہ جمعہ کی نماز بغیر غسل کے پڑھی تھی - نیز وہ حضرت عائشہ کا ایک اثر اور ایک مرفوع حدیث پیش کرتے ھیں جن سے معلوم ھوتا ھے کہ غسل جمعہ محض صفائی اور پاکیزگی کے لئے ھے۔ ان دلائل کی روشنی میں وہ لفظ واجب کو جو غسل جمعہ کے لئے حدیث میں آیا ھے واجب فی الاختیار سمجھتے ھیں (۲۳)۔ اس اصطلاح کو بعد میں سنت سے تعبیر کیا گیا ھے۔

مباح کی اصطلاح (۲۴) سب سے پہلے ھمیں امام شافعی کے یہاں ملتی ھے۔ مباح کا لفظ ایسے امور کے لئے استعمال ھوتا ھے جن کے بارے میں شریعت خاموش ھے۔ مباح امور کے بارے میں بھی امام شافعی نے تفصیل سے گفتگو کی ھے۔ اس سلسلہ میں وہ حرمت کی دو قسمیں کرتے ھیں۔ ایسے امور جن کی ممانعت قرآن و سنت میں واضح طور پر موجود ھے، جیسے متعہ کی حرمت، شراب و خنزیر کی حرمت۔ لیکن بعض مباح کاموں میں بھی حدیث میں ممانعت آئی ھے - جیسے صماء (اکیلی ایک لمبی قمیص) پہننا، یا احتباء یعنی ایک کپڑے کو کمر سے باندھ کر اس کے سہارے بیٹھنے کی ممانعت، یا مثلاً حدیث میں ھے کہ کھانا اپنے سامنے سے کھانا چاھیئے، برتن کے درمیان سے کھانا منع ھے۔ اسی طرح رات کے وقت درمیان سڑک پر قیام کرنے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے ممانعت فرمائی ھے۔ اس قسم کے مباح امور میں ممانعت کا درجہ وہ نہیں ھے جو اصلی حرمت کا ھے جیسے شراب کی ممانعت یا متعہ کی ممانعت۔ امام شافعی اگرچہ دونوں کے ارتکاب

کو معصیت سمجھتے ھیں، لیکن مباح امور میں کم اور عام حرام کاموں میں زیادہ اور سنگین ۲۵۔

فرض کفایہ کی اصطلاح بھی ھمیں امام شافعی سے پہلے نہیں ملتی۔ فرض کفایہ کی تعریف وہ اس طرح کرتے ھیں۔ جو مسلمانوں کی کافی تعداد کے کرنے سے ادا ھوجائے، اور جن لوگوں نے اس کو ادا نہیں کیا ھے وہ گنگار نہیں ھوں گے۔ فرض کفایہ کی یہ تعریف وہ جہاد سے متعلق قرآن مجید کی متعدد آیات سے نکالتے ھیں (۲٦)۔ امام شافعی کے خیال میں جہاد، نماز جنازہ، سلام کا جواب دینا وغیرہ جیسے امور فرض کفایہ ھیں۔ وہ کہتے ھیں فرض کفایہ کا منشاء پوری امت کی طرف سے کافی آدمیوں کا اس فرض کو ادا کرلینا ھے۔ یہاں کفایت تعداد مقصود ھے نہ کہ انفرادی طور پر فرض کی ادائیگی۔ فرض عین کی اصطلاح تو امام شافعی کے یہاں موجود نہیں ھے، تاھم اس کا تصور موجود ھے۔ علم کی وہ دو قسمیں کرتے ھیں عامہ اور خاصہ۔ عامہ کے تحت وہ پانچوں نمازوں، رمضان کے روزوں، حج اور زکاۃ کی فرضیت اور قتل، سود، زنا، چوری اور شراب کی حرمت کا ذکر کرتے ھیں۔ ان کو بیان کر کے وہ کہتے ھیں، یہ علم ھر شخص کے پاس ھونا چاھئے اور اس کا ھر ایک مکلف ھے۔ غالباً اسی کو بعد میں فرض عین کا نام دیا گیا (۲۷)

حلت و حرمت کی ان اصطلاحات کا ارتقاء صدر اسلام کے فقہی مکاتب میں اور ان کے بعد امام شافعی تک، نیز متاخرین کے یہاں قطعیت کے ساتھ بہت واضح نہیں ھے۔ اتنا ضرور کہا جا سکتا ھے کہ امام شافعی کے دور سے ان اصطلاحات کی درجہ بندی اور تعیین شروع ھوچکی تھی۔ یہی مسلسل عمل ایک عرصہ کے بعد احکام خمسہ کی شکل میں ظاھر ھوا۔

(باقی)

حواشی

(۱) دیکھئے آیات ۲ : ۱۷۳، ۲۷۵ - ۳ : ۱۹ - ۵ : ۳، ۹۶

(۲) ابو یوسف، الردعلی سیر الاوزاعی، مطبوعہ قاہرہ، ص ۶۱ - ۶۲

(۳) ایضا ص ۷۰-۹۶

(۴) مؤطا مالک - مطبوعہ قاہرہ، ۱۹۵۱ء، ج ۲، ص ۳۸۷

(۵) ایضا ج ۱ ص ۲۳۰ - و ج ۲ ص ۹۸۳

(۶) ابو یوسف، الرد علی سیر الاوزاعی، ص ۷۲-۷۳

(۷) ایضا - ص ۱۵ نیز دیکھئے ص ۳۳

(۸) ایضا ص ۹۷-۱۰۵

(۹) ایضا ص ۷۰

(۱۰) محمد بن الحسن - کتاب الاصل - مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۴ء، ص ۳ - ۴ - ۵ - ۶ وغیرہ

(۱۱) محمد بن الحسن - الجامع الصغیر - لکھنؤ ۱۲۹۱ھ، ص ۸ - ۹ - ۱۰ - ۹۲ وغیرہ

(۱۲) مؤطا محمد بن الحسن - مطبوعہ دیوبند - ص ۱۰۴

(۱۳) ایضا - ص ۱۶۲ - ۱۹۲

(۱۴) ایضا ص ۷۲-۷۳

(۱۵) ایضا - ص ۱۶-۷۶-۱۰۳-

(۱۶) محمد بن الحسن-السیر الکبیر- (مع شرح السرخسی)، قاہرہ ۱۹۵۷، ج ۱، ص ۲۳-۹۴-۱۸۷

(۱۷) محمد بن الحسن - الجامع الصغیر، ص ۲۰

(۱۸) ایضا، ص ۱۰-۳۷ - مؤطا محمد، ص ۱۰۵ - ۱۱۰ - ۱۲۳

(۱۹) ایضا، ص ۱۰

(۲۰) ایضا، ص ۱۱۲ - ۱۳۹ - السیر الکبیر ج ۱، ص ۲۲۶

(۲۱) محمد بن الحسن - کتاب الاصل - ص ۳ - ۶ - ۲۰ - ۸۶ - ۱۰۰

(۲۲) امام شافعی - کتاب الام - قاہرہ ۱۳۲۵ھ، ج ۷، ص ۲۶۵، نیز رسالہ شافعی، قاہرہ ۱۳۲۱ھ، ص ۴۸

(۲۳) رسالہ شافعی - ص ۲۳

(۲۴) مباح کا لفظ امام محمد کے یہاں بھی ملتا ہے - لیکن وہ اسکو لفظی معنی میں استعمال کرتے ہیں نہ کہ اصطلاحی - دیکھئے شرح السیر الکبیر - ج ۱، ص ۱۹۱ - ۳۱۸

(۲۵) ایضا، ص ۴۹

(۲۶) قرآن مجید - ۹ : ۵، ۳۶، ۴۱، ۱۱۱، ۱۲۲ - و نیز ۴ : ۹۵ ایسا معلوم ہو تا ہے کہ فرض عین اور فرض کفایہ کی اصطلاحات امام شافعی نے بنائی ہیں، اگرچہ یہ تصور ان سے پہلے بھی موجود تھا - امام محمد جہاد کو ضرورت کے وقت ہر مسلمان پر فرض سمجھتے ہیں - اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ یہ کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہئے - اگر سب مسلمان اس کو ترک کردیں گے تو سب کے سب گنہگار ہوں گے - اور اگر کچھ لوگ اس کو جاری رکھیں گے تو دوسرے لوگ بھی معصیت سے بچ جائیں گے - اس بات کو وہ ابو حنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہیں - ملاحظہ ہو شرح السیر الکبیر ج ۱، ص ۱۸۷ - ۱۸۹

(۲۷) رسالہ شافعی - ص ۵۰ - ۵۱، امام شافعی فرض عین کو فرض علی العامة کہتے ھیں